دعوت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالماتی اسلوب

Prophet(SAW)' s Conversational Method for Preaching of Islam

ڈاکٹر محمد سجاد*

Abstract

Conversation is very attractive mode to make influence on listener. Conversation reflects the personality, knowledge, skill and thinking of speaker. Prophet Muhammad (SAW) frequently used the conversation mode for preaching of Islam. He (SAW) conversed according to the intellectual level, circumstances and absorbing capacity of listener.

In Makkah, when Prophet Muhammad (SAW) was performing His duty of preaching Islam, He often used the conversation mode. Famous talks of Prophet Muhammad (SAW) in this context are: the talk with people of tribe "Abdul Ashal", the talk with Abdul Waleed, the messenger of Quraish and the talk with Amr Ibn Absa in the bazaar of Ukaz. From these and similar conversations depict that the Prophet Muhammad (SAW) carefully watch out the psychology, background and intellectual capacity of addresses.

Similarly, in Madina when Islam got its acceptance all over the Arab Island, different tribes come to Prophet Muhammad (SAW) for embracing Islam. He (SAW) used the modes of conversation and Question & Answer for promotion of Islam. Usually the Prophet Muhammad (SAW) asked different questions to them, if they replied correctly, He (SAW) confirmed otherwise made corrections. In Madina the Popular Conversations of Prophet Muhammad (SAW) are with the tribes of delegation of "Abd Qais", "Bani tay", delegation of "Abu Razeen Aqli" , Deligation of "Banu Haris" etc.

From different Prophetic Conversations it could be concluded that the preacher should make the evaluation of the capacity of his addressee and should use a way of encouraging so that one can understand and learn his sayings and teachings.

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر/چیئرمین شعبہ فکر اسلامی، تاریخ و ثقافت، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان۔

کسی انسان کو اپنی بات کی طرف متوجہ کرنے اور اس کو ذہن نشین کرانے کا ایک موثر ذریعہ اور اسلوب، باہمی گفتگو اور بات چیت ہے۔ماہرین نفسیات نے توجہ مبذول کرانے کے جن طریقوں کی وضاحت کی ہے۔ان میں مکالمانہ انداز اور سوال وجواب کا اسلوب مخاطب کے ذہن وفکر کو متوجہ کرنے میں کافی مدد گار ثابت ہوتا ہے۔کیونکہ اس میں متکلم اور سامع دونوں کو متوجہ رہنا پڑتا ہے۔ہر ایک پورے انہاک سے اپنی بات کہتا اور سنتا ہے۔

تقریر وتحریر کے مقابلے میں یہ انداز اثر انگیزی میں کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ متکلم اور سامع کے درمیان براہ راست گفتگو ہوتی ہے۔مزید برآں اس میں آمد کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

مکالمہ، متکلم کی شخصیت،اس کے مزاج،اس کے علم وفضل، فکر ونظر کی افتاد،اس کے ظاہر وباطن کے احوال غرضیکہ ہر پہلو کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ماحول کے تقاضوں کا بھی عکاس ہوتا ہے۔اس کے ذریعے افہام وتفہیم کا جو ماحول پیدا ہوتا ہے وہ کسی بھی دوسرے اسلوب وانداز سے ممکن نہیں اور یہ دعوت وتبلیغ کا موثر ذریعہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی زندگی اور آپؐ کے طرز اسلوب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے نہ صرف دین حق کی تفہیم وابلاغ کے لیے مکالماتی اسلوب اختیار فرمایا بلکہ صحابہ کرامؓ کی روزمرہ زندگی کے بارے میں وعظ ونصیحت اور تربیت میں بھی اس موثر اسلوب سے مدد لی۔آپؐنے اپنی بات بہتر طور پر ذہن نشین کرانے کے لیے کبھی تبادلہ خیال کے طرز کو اختیار فرمایا کبھی سوال وجواب کے انداز پر گفتگو کی۔اس سے کئی فائدے حاصل ہوئے۔مثلاً۔اس طرح مدعو ہمہ تن گوش ہو کر بات سنتا مخاطب گفتگو میں دلچسپی لیتا ہے۔مدعو کو غور وفکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔مکالماتی اسلوب کے ذریعے حقائق کو بہت ہلکے پھلکے انداز میں ذہنوں میں بٹھا دیا جاتا ہے۔

دعوت وتبلیغ میں آپ کا واسطہ ہر قسم کے لوگوں سے تھا،اس میں مہذب وغیر مہذب، عاقل وگنوار، خواص اور عامی، امیر اور غریب سب شامل تھے۔لیکن ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے۔نہایت تحمل سے گفتگو فرماتے، جس سے پتھر دل بھی موم ہو جاتے۔کئی لوگ دین کی معلومات حاصل کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوتے، کئی مسائل دین سمجھنے کے لیے مختلف قسم کے سوالات کرتے۔کفار اور مشرکین محض مزاحمت ومخالفت کی وجہ سے ایسے حیلے بہانے پیش کرتے جن کا مقصد ترغیب، تحریص، یا غم وغصہ کا مظاہرہ کرنا ہوتا۔استفسارات کرنے والوں میں اجنبی، تاجر، مزدور، کسان، رؤسا، خطیب، شاعر، غرض

ہر حیثیت کے لوگ شامل ہوتے۔ آپؐ ہر ایک کی ذہنی سطح، حالات، استعداد اور ماحول کے مطابق گفتگو فرماتے۔ جس سے مدعو غور سے سنتا اوراس کا قلب وذہن اس دعوت کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا۔

دعوت کے مکی دور میں جب آپؐ انفرادی طور پر دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کر رہے تھے تو اس موقع پر آپؐ باہمی گفتگو، اور سوال وجواب کا ہی اسلوب اختیار کرتے۔ آپ سوال وجواب اور بات چیت سے مخاطب کو متوجہ کرتے اور پھر اثناء گفتگو ہی اصل مدعا بیان کر دیتے۔

بنی عبد الاشہل کے أَبُو الْحَيْسَرِ، أَنَسُ بْنُ رَافِعٍ چند نوجوانوں کے ساتھ جب مکہ آئے تا کہ خزرج کے مقابلے میں قریش مکہ سے اپنی حمایت پر حلف لیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور صورت حال دریافت کی اور فرمایا: هَلْ لَكُمْ فِي خَيْرٍ مِمَّا جِئْتُمْ لَهُ؟

"کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں جس کے لیے تم یہاں آئے ہو"

فَقَالُوا لَهُ: وَمَا ذَاكَ؟

انہوں نے کہا کہ وہ بہتر چیز کیا ہے؟

قَالَ:

تو آپؐ نے فرمایا:

أَنَا رَسُولُ اللَّهِ بَعَثَنِي إِلَى الْعِبَادِ، أَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْزَلَ عَلَيَّ الْكِتَابَ. قَالَ: ثُمَّ ذَكَرَ لَهُمُ الْإِسْلَامَ، وَتَلَا عَلَيْهِمِ الْقُرْآنَ۔

"جب آپؐ نے اسلام کی حقیقت ان کے سامنے بیان کی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی ان میں ایک نوجوان، ایاس بن معاذ کہنے لگا۔ اے قوم واقعی یہ بات اس کام سے بہتر ہے جس کے واسطے تم آئے ہو"؟

قریش کے جو وفود، افہام وتفہیم اور مصالحت کے لیے آتے، ان سے آپ باہمی گفتگو میں دعوت پیش کر دیتے۔

جب قریش مکہ نے ابو الولید (عتبہ) (۲) کو آپؐ کے پاس بھیجا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور گفتگو کا آغاز کیا۔

فَقَامَ إِلَيْهِ عُتْبَةُ حَتّى جَلَسَ إِلَى رَسُولِ اللّه صلى الله عليه وسلم —

فَقَالَ يَا ابْنَ أَخِي، إنّك مِنّا حَيْثُ قَدْ عَلِمْتَ مِنْ السّطَةِ فِي الْعَشِيرَةِ وَالْمَكَانِ فِي النّسَبِ وَإِنّك قَدْ أَتَيْت قَوْمَك بِأَمْرٍ عَظِيمٍ فَرّقْت بِهِ جَمَاعَتَهُمْ وَسَفّهْت بِهِ أَحْلَامَهُمْ وَعِبْت بِهِ آلِهَتَهُمْ وَدِينَهُمْ وَكَفّرْت بِهِ مَنْ مَضَى مِنْ آبَائِهِمْ فَاسْمَعْ مِنّي أَعْرِضْ عَلَيْك أُمُورًا تَنْظُرُ فِيهَا لَعَلّك تَقْبَلُ مِنْهَا بَعْضَهَا.

میرے بھتیجے تم ہمارے درمیان جس حیثیت کے مالک ہو وہ تمہارے علم میں ہے تم نے اپنی قوم کو ایک ایسے فتنے میں مبتلا کیا ہے، جس نے ان کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ تم نے ان کو ان کے آباء کو بیوقوف واحمق ٹھہرایا

ہے۔ ان کے مذہب کی توہین کی ہے۔ ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا ہے۔ میں کچھ باتیں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں، شاید تمہیں کوئی بات قبول ہو"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قُلْ يَا أَبَا الْوَلِيدِ أَسْمَعْ

اس کے بعد اس نے آپؐ کے سامنے دولت، بادشاہت اور علاج کا خرچہ کی پیشکش کی، آپؐ غور سے سنتے رہے۔ جب وہ خاموش ہو گیا تو فرمایا:

قَالَ أَقَدْ فَرَغْتَ يَا أَبَا الْوَلِيدِ؟

"تم نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے؟"

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا، جو کچھ تم نے میری بابت کہا، اس میں ذرہ برابر صداقت نہیں اس کے بعد آپؐ نے سورۂ فصلت کی چند آیات پڑھیں اور سجدہ تلاوت فرمایا: تلاوت کے بعد آپؐ نے فرمایا" ابو الولید میں نے جو کچھ کہنا تھا۔ تم نے سن لیا۔ اب تمہاری مرضی"۔

اس گفتگو کا جو اس پر اثر ہوا اس کا اظہار انھوں نے یوں کیا۔"

قَدْ سَمِعْتُ قَوْلًا وَاَللّهِ مَا سَمِعْت مِثْلَهُ قَطّ، وَاَللّهِ مَا هُوَ بِالشّعْرِ وَلَا بِالسّحْرِ وَلَا بِالْكِهَانَةِ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، أَطِيعُونِي وَاجْعَلُوهَا بِي، وَخَلّوا بَيْنَ هَذَا الرّجُلِ وَبَيْنَ مَا هُوَ فِيهِ فَاعْتَزِلُوهُ فَوَاَللّهِ لَيَكُونَنّ لِقَوْلِهِ الّذِي سَمِعْتُ مِنْهُ نَبَأٌ عَظِيمٌ فَإِنْ تُصِبْهُ الْعَرَبُ فَقَدْ كُفِيتُمُوهُ بِغَيْرِكُمْ وَإِنْ يَظْهَرْ عَلَى الْعَرَبِ فَمُلْكُهُ مُلْكُكُمْ وَعِزّهُ عِزّكُمْ وَكُنْتُمْ أَسْعَدَ النّاسِ بِهِ(۳)۔

(میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ بخدا نہ وہ شعر ہے نہ جادو، نہ منتر، نہ کہانت، میری بات مانو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے حال پر چھوڑ دو)

آپؐ کا عتبہ کو یہ کہنا کہ (قل یا ابا الولید اسمع) اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ نے اس کے سارے مطالبات اور پیش کش کو غور سے سنا اور جب وہ کہہ چکا اور آپؐ کے جواب کا منتظر ہوا تو پھر آپؐ نے فرمایا: قد فرغت یا ابا الولید؟ جب اس نے مثبت جواب دیا اور اس کو متوجہ پایا تو آپؐ نے دین حق کا پیغام بہترین اسلوب میں اس کے سامنے رکھ دیا۔ جس سے اس کا متاثر ہونا یقینی تھا۔ اس باہمی بات چیت اور گفتگو سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپؐ نے عتبہ کو عمدہ نام سے یاد کیا جو اس کو محبوب تھا اور قریش کے ہاں اس کی جو قدر و منزلت تھی اس کا لحاظ رکھا۔

دعوت کے اولین دور میں ہی جب آپ عکاظ، ذوالمجاز اور ذوالمجنہ کے بازاروں میں قبائل عرب کو دعوت و تبلیغ کررہے تھے، اس دوران عمرو بن عبسہ نے آپؐ کو عکاظ میں تبلیغ کرتے دیکھ لیا، جس کے وہ کئی برسوں سے متلاشی تھے۔ آپؐ کو قدرے اکیلے پایا تو آپؐ کے قریب گئے اور گفتگو کا آغاز فرمایا:

عَنْ عَمْرِوبْنِ عَبَسَةَ(۴)قَالَ:أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَازِلٌ بِعُكَاظَ

فَقُلْتُ: مَاأَنْتَ؟

قَالَ: "أَنَانَبِيٌّ".

قُلْتُ: وَمَاالنَّبِيُّ؟

قَالَ: "رَسُولُ اللَّهِ".

قَالَ: آللَّهُ أَرْسَلَكَ؟

قَالَ: "نَعَمْ".

قُلْتُ: بِمَأَرْسَلَكَ؟

قَالَ: "بِأَنْ نَعْبُدَاللَّهَ،وَنُكَسِّرَالْأَوْثَانَ،وَدَارَالْأَوْثَانِ،وَنَوْصِلَ الْأَرْحَامَ".

قُلْتُ: نِعْمَ مَاأَرْسَلَكَ بِهِ.

قُلْتُ: فَمَنْتَبِعَك ◌َعَلَى هَذَا؟

قَالَ: "عَبْدٌوَحُرٌّ يَعْنِي أَبَابَكْرٍوَبِلاَلًا- فَكَانَ عَمْرٌويَقُولُ: رَأَيْتُنِي وَأَنَ ارُبُعُ -أَوْرَابِعُاالْإِسْلَامِ(۵)

قُلْتُ: وَمَا الْإِسْلَامُ؟

قَالَ: «طِيبُ الْكَلَامِ، وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ»

قَالَ: قُلْتُ: مَا الْإِيمَانُ؟

قَالَ: «الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ»

قَالَ: قُلْتُ: فَأَيُّ الْإِيمَانِ أَفْضَلُ؟

قَالَ: «مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ»

قَالَ: قُلْتُ: أَيُّ الْإِيمَانِ أَفْضَلُ؟

قَالَ: «خُلُقٌ حَسَنٌ»(٦)۔

عمرو: آپ ؐکون ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میں اللہ کا نبی ہوں۔

عمرو: کیا آپ ؐکو اللہ نے مبعوث کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بے شک میں خدائے واحد ولاشریک کا فرستادہ ہوں۔

عمرو: آپکی دعوت؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خدائے تعالیٰ پر ایمان کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بت پرستی سے اجتناب اور اپنوں سے محبت۔

عمرو : کوئی شخص آپؐ پر ایمان بھی لایا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ہاں، ایمان لانے والوں میں آزاد۔(ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ایک غلام (بلال رضی اللہ عنہ) دونوں شامل ہیں۔

عمرو : اسلام کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ہر شخص کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، مساکین سے اچھا سلوک کرنا۔

عمرو : اور ایمان کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اللہ کی راہ میں صبر ورضا سے کام لینا۔

عمرو : اسلام کا سب سے اعلیٰ درجہ کون سا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: نہ کسی کو زبان سے دکھ دو، نہ کسی کو بدنی ایذا پہنچائے۔

عمرو : ایمان کی رفعت کی کیا علامت ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اخلاق حسنہ۔

عمرو: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں آپؐ پر ایمان لاتا ہوں۔ آپ کی تعلیمات پر میرا ایمان ہے۔

اس مکالمے سے جہاں داعی اور مدعو کی ہمہ تن توجہ کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ مدعو کی نفسیات، حالات اور فکری و نظری رعایت کا کس قدر خیال فرماتے اور دعوت کو اس وقت جو صورت حال پیش تھی، اس کے مطابق آپؐ نے ان کے سوالات کے جوابات دیئے۔ جب انہوں نے ایمان کی بابت سوال کیا تو ایمان کا معنی ومفہوم آپؐ نے یہ فرمایا کہ توحید پر استقامت اور اس راہ میں جو مشکلات و تکالیف در پیش ہیں ان پر صبر سے کام لینا ہے۔

انہی حضرت عمرو بن عبسہؓ سے ایک حدیث مروی ہے، جس میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کئے اور یہ استفسارات تقریباً وہی ہیں جو خود حضرت عمرو بن عبسہؓ نے مکی عہد میں دعوت نبویؐ کے پہلے دور میں آپؐ سے کیے تھے۔ ان سوالات کے جوابات آپؐ نے مخاطب کے حالات، نفسیات اور اس وقت کی "دعوتی صورتحال" کے مطابق دیئے۔ روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا الْإِسْلَامُ؟

قَالَ: " أَنْ يُسْلِمَ قَلْبُكَ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَأَنْ يَسْلَمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِكَ وَيَدِكَ "،

قَالَ: فَأَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟

قَالَ: " الْإِيمَانُ "،

قَالَ: وَمَا الْإِيمَانُ؟

قَالَ: " تُؤْمِنُ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ، وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ "،

قَالَ: فَأَيُّ الْإِيمَانِ أَفْضَلُ؟

قَالَ: " الْهِجْرَةُ "،

قَالَ: فَمَا الْهِجْرَةُ؟

قَالَ: " تَهْجُرُ السُّوءَ "،

قَالَ: فَأَيُّ الْهِجْرَةِ أَفْضَلُ؟

قَالَ: " الْجِهَادُ "،

قَالَ: وَمَا الْجِهَادُ؟

قَالَ: " أَنْ تُقَاتِلَ الْكُفَّارَ إِذَا لَقِيتَهُمْ "،

قَالَ: فَأَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ؟

قَالَ: " مَنْ عُقِرَ جَوَادُهُ وَأُهْرِيقَ دَمُهُ "، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " ثُمَّ عَمَلَانِ هُمَا أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ إِلَّا مَنْ عَمِلَ بِمِثْلِهِمَا: حَجَّةٌ مَبْرُورَةٌ أَوْ عُمْرَةٌ (۷)

ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور دریافت کیا۔

وہ شخص: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کیا چیز ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تیرا قلب اللہ کے سامنے جھک جائے اور تیری زبان اور ہاتھ کی ایذا رسانی سے تمام مسلمان محفوظ رہیں۔

وہ شخص: اے اللہ کے نبیؐ اسلام کا افضل ترین جز کون سا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایمان۔

وہ شخص: ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یہ کہ تو اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، بعث بعد الموت پر یقین رکھے۔ اس کے رسولوں پر دل سے ایمان لائے۔

وہ شخص: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی بہتر خصوصیت کونسی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ہجرت۔

وہ شخص: ہجرت کسے کہتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یہ کہ تو برے اعمال کو ترک کر دے۔

وہ شخص: بہترین ہجرت کے متعلق ارشاد فرمایئے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جہاد۔ کافروں کے خلاف دل وجان سے جہاد کرنا۔
وہ شخص: اچھاتو بہتر جہاد کون سا ہے؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایسے شخص کا جہاد کہ اس راہ میں جس کی سواری بھی زخمی ہو اور وہ بھی راہ حق میں مارا جائے۔ اس کے علاوہ دو عمدہ عمل یہ بھی ہیں۔ حج۔ جس کے بعد گناہوں کا ارتکاب نہ کرے اور عمرہ کی ادائیگی۔

یہ تمام سوالات وہی ہیں جو خود حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے دعوت کے خفیہ دور میں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات پر کیے تھے۔ آپؐ نے اس وقت ان کے جوابات دیئے تھے اور اب جب عمرو بن عبسہؓ مدینہ میں آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور مختلف لوگ آپؐ سے اسلام اور دعوت حق کے بارے میں استفسارات کرتے تو وہ ان کو بغور سنتے۔ چنانچہ مذکورہ مکالمہ بھی انہوں نے آپؐ سے سنا اور پھر اس کو روایت بھی کیا، کیونکہ اس میں جو سوالات ہوئے وہ آپؐ کے علمی ذوق کے مطابق بھی تھے۔ مگر اس مرحلے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کے جوابات قدرے مختلف دیئے۔ اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ آپؐ مدعو کی نفسیات، علاقائی صورتحال اور ذہنی استعداد کا کس قدر خیال فرماتے تھے۔
انصار مدینہ سے عقبہ کی گھاٹی میں جو پہلی ملاقات ہوئی، اس میں آپؐ کا انداز بات چیت کا ہی تھا۔ جب آپؐ ان کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے تو فرمایا:
مَنْ أَنْتُمْ ؟
قَالُوا: نَفَرٌ مِنَ الْخَزْرَجِ.
قَالَ: " أَمِنْ مَوَالِي يَهُودَ؟ "
قَالُوا: نَعَمْ.
قَالَ: " أَفَلَا تَجْلِسُونَ أُكَلِّمُكُمْ ".
قَالُوا: بَلَى.

فَجَلَسُوا مَعَهُ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللَّهِ، وَعَرَضَ عَلَيْهِمُ الْإِسْلَامَ وَتَلَا عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ (٨)۔
پھر آپؐ ان کے سامنے بیٹھ گئے اور جب ان کو اچھی طرح مانوس کر لیا اور ان کو اپنی طرف متوجہ پایا تو پیغام حق کی دعوت دی اور جس کو انہوں نے فوراً قبول کر لیا مدنی دور میں جب دعوت پورے جزیرۂ نما عرب میں پھیل گئی اور مختلف قبائل سے وفود آپؐ کے پاس بیعت کے لیے حاضر ہونے لگے تو ان دعوتی و تبلیغی وفود سے عموماً آپؐ باہمی گفتگو کا اسلوب ہی اختیار فرماتے ان کے بعض استفسارات کا جواب دیتے ہوئے انہی سے سوال کر کے جواب طلب فرماتے اور اگر وہ جواب دین وشریعت کے مزاج کے مطابق ہوتا تو اس کی توثیق فرما

دیتے۔ اس طرح سامع اور مدعو متوجہ رہتا اور بات کو پورے ذوق و شوق سے سنتا۔ ان وفود میں جن سے آپؐ نے مکالماتی اسلوب اختیار فرمائے۔ ان میں وفد عبد القیس، وفد بنی طے، وفد ابو رزین عقلی، وفد معاویہ بن حیدہ، وفد ازدی، وفد بنو حارث، وفد بنو ثقیف وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں مشہور مکالمہ بنو سعد سے تعلق رکھنے والے ضمام بن ثعلبہؓ کا ہے۔

اس مکالمے سے جہاں آپؐ کے عفو و درگزر، شفقت و رافت، حلم اور تواضع کے اخلاق حسنہ کی عکاسی ہوتی ہے۔ وہاں ایک بدوی مزاج اور نفسیات کی بھی عکاسی ہوتی ہے کہ مدعو ادب اور لحاظ کے بغیر، اور نہایت درشت لہجے اور اکھڑ پن میں گفتگو کرتا ہے اور آغاز میں ہی کہہ دیا:

إِنِّي سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَيْكَ فِي الْمَسْأَلَةِ فَلَا تَجِدْ عَلَيَّ فِي نَفْسِكَ(۹)

کہ میں آپؐ سے سوال کروں گا۔ میرا لہجہ سخت اور درشت ہے۔ سختی سے بات کروں گا۔ آپؐ اسے محسوس نہ کریں۔ پھر وہ سوال کرتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اطمینان سے اس کے ہر سوال کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ حالانکہ پورے مکالمے میں سائل کا لہجہ درشت رہتا ہے۔ تعلیم اور تحمل کا یہ طریقہ اس طرح کارگر ثابت ہوا کہ وہ شخص بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

"اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو صادق نبی بنایا ہے، میں آپؐ کی بتائی ہوئی باتوں میں کمی بیشی نہیں کروں گا۔ میں آپؐ کا دین قبول کر چکا ہوں۔ میں اپنی قوم کا قاصد ہوں، میرا نام ضمام بن ثعلبہؓ ہے"(۱۰)۔

صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت میں بھی آپؐ بات چیت اور مکالمے کا انداز اختیار کرتے تھے۔ مثلاً حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر سوار تھا اور میرے اور آپؐ کے درمیان کجاوے کے پچھلے حصے کے سوا اور کوئی چیز حائل نہ تھی۔ (یعنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بالکل ملا ہوا بیٹھا) کہ چلتے چلتے آپؐ نے مجھے پکارا اور فرمایا:

يَامُعَاذُبْنُ جَبَلٍ " قَالَ: لَبَّيْكَ يَارَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ،ثُمَّ سَارَسَاعَةً،

ثُمّ قَالَ: " يَامُعَاذُبْنَ جَبَلٍ "

قَالَ: لَبَّيْكَ يَارَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ،ثُمَّ سَارَسَاعَةً،

فقَالَ: " يَامُعَاذُبْنَ جَبَلٍ "

قَالَ: لَبَّيْكَ يَارَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ،

قَالَ: " هَلْ تَدْرِي مَاحَقُّاللهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ "

قَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ،

قَالَ: " فَإِنَّ حَقَّاللهِ عَلَى الْعِبَادِأَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَايُشْرِكُوابِهِ شَيْئًا "،

قَالَ: " فَهَلْ تَدْرِي مَاحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَاهُمْ فَعَلُواذَلِكَ؟ "

قَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ،

قَالَ: " فَإِنَّ حَقَّهُمْ عَلَى اللهِ أنْ لَايُعَذِّبَ هُمْ " (۱۱)۔

معاذ بن جبل۔ میں نے عرض کیا، میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں۔۔۔۔۔۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپؐ نے فرمایا: معاذ بن جبل۔۔۔۔۔۔ میں نے عرض کیا۔ لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسعدیک، پھر کچھ چلنے کے بعد آپؐ نے فرمایا: معاذ بن جبل۔۔۔۔۔۔ میں نے عرض کیا، لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسعدیک۔ (اس تیسری دفعہ) آپؐ نے ارشاد فرمایا:

تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟

میں نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو زیادہ علم ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اس کے بعد کچھ دیر چلے اور پھر فرمایا:

تم جانتے ہو کہ جب بندے اللہ کا یہ حق ادا کریں، تو پھر اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟

میں نے عرض کیا۔ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو زیادہ علم ہے۔

آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا: انہیں عذاب میں نہ ڈالے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ کو تین دفعہ مخاطب کیا اور پھر جو کچھ آپؐ فرمانا چاہتے تھے اس کا ایک حصہ آپؐ نے تیسری دفعہ میں ارشاد فرمایا اور دوسرا جز کچھ دیر توقف کے بعد چوتھی دفعہ میں فرمایا۔۔۔۔۔۔ اس کی توجیہہ میں محدثین اور شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ مخاطب کو متوجہ کرنے اور اس بات کی صحیح پہچان کرانے کے لیے یہ اسلوب آپؐ اختیار فرماتے تھے۔ یہاں آپ حضرت معاذؓ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرمانا چاہتے تھے تاکہ وہ ہمہ تن گوش ہو کر پوری رغبت و توجہ اور غور و تامل کے ساتھ آپؐ کا ارشاد سنیں۔

سوال و جواب اور مکالمات کی اثر انگیزی مسلم ہے۔ اس پیرائیہ بیان میں جو بات کی جائے گی وہ ضرور اثر کرے گی اور تادیر سامع کے ذہن و قلب پر اس کے اثرات قائم رہیں گے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آپؐ کے پاس سائل بنا کر بھیجا اور وہ حجۃ الوداع سے کچھ عرصہ پہلے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جہاں ان کی متعلمانہ آداب واستفسارات سے دعوتی و تربیتی اصولوں کو اخذ کیا جاسکتا ہے۔ وہاں آپؐ کے جوابات سے کئی ایک نفسیاتی و تربیتی اصول اخذ ہوتے ہیں۔ انہوں نے اسلام، ایمان، احسان اور قیامت کے بارے میں سوالات کیے اور جہاں امثال و تمثیل کی ضرورت پیش آئی آپؐ نے بات کو واضح کرنے کے لیے اس کو بھی اختیار فرمایا۔ صحابہ کرامؓ

اس اجنبی سائل کے سوالات اور آپؐ کے جوابات بڑے غور اور توجہ سے سنتے رہے اور جب سائل چلا گیا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ(۱۲)۔

یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو لوگوں کو دین سکھانے تشریف لائے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ ؟

اور پھر آپؐ نے فرمایا:

فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ (۱۳)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ:

أَرَادَ أَنْ تَعَلَّمُوا إِذْ لَمْ تَسْأَلُوا (۱۴)۔

کہ جب تم نے سوال نہ کیا، اس لیے جبرائیل علیہ السلام نے خود یہ سوالات کیے کہ تم اپنا دین سیکھ لو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ مخاطب کی عقل وسمجھ اور مزاجی کیفیت کے پیش نظر سوال وجواب کی صورت میں مخاطب کو سمجھاتے اور تربیت فرماتے تھے یہ طریقہ نہایت مؤثر ثابت ہوتا تھا کہ خوبصورت انداز میں غلط بات کو اس کے دل سے نکال دیں، یا حق بات کو جس کا مخاطب کی حالت اور عادت کے پیش نظر اس کے دل سے نکالنا آسان ہوتا، بڑی حکمت عملی کے ساتھ اس غلط بات کی نفرت اس کے دل میں بٹھا دیتے تھے، اس کی ایک حیرت انگیز مثال درج ذیل ہے:

امام احمدؒ اور طبرانیؒ نے حضرت امامہ باہلیؓ سے روایت کی ہے کہ "ایک نوجوان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے یہ سنتے ہی حاضرین اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو ڈانٹا کہ (یہ کیا بدتمیزی کی بات کر رہے ہو) چپ رہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریب آجاؤ، چنانچہ وہ شخص آپؐ سے قریب آکر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا یہ بتاؤ کیا تم اپنی ماں کے لیے زنا پسند کرتے ہو؟ اس نے برجستہ کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر قربان جاؤں، خدا کی قسم اس کو قطعاً نہیں پسند کروں گا، تو آپؐ نے فرمایا ایسے ہی دوسرے لوگ بھی اپنی ماں کے لیے زنا کو نہیں پسند کرتے، آپؐ نے پھر سوال فرمایا! کیا تم اپنی بیٹی کے لیے زنا پسند کرو گے؟ پھر اس نے جواب دیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر قربان جاؤں میں اس کو کسی طرح گوارہ نہیں سکتا، آپؐ نے فرمایا تو لوگ بھی اس کو اپنی بیٹیوں کے لیے نہیں پسند کرتے، آپؐ نے پھر پوچھا بتاؤ کیا تم اس کو اپنی بہن کے لیے پسند کرو گے؟ اس نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ بر قربان

جاؤں، میں اس کو کسی طرح نہیں گوارا کر سکتا تو آپؐ نے فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے اس کو نہیں پسند کریں گے۔ آپؐ نے پھر سوال کیا اچھا بتاؤ اپنی پھوپھی کے لیے اس کو پسند کرو گے؟ اس نے پھر وہی جواب دیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر قربان جاؤں خدا کی قسم میں اسے کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ آپؐ نے فرمایا تو ایسے ہی دوسرے لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لیے اس کو نہیں پسند کرتے۔ آپؐ نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پھر پوچھا کیا تم اپنی خالہ کے لیے اس کو پسند کرو گے؟ اس نے جواب دیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر قربان جاؤں میں اس کو کیونکر گوارا کر سکتا ہوں آپؐ نے فرمایا تو دوسرے لوگ بھی اپنی خالاؤں کے لیے اس کو نہیں پسند کر سکتے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ رکھا، اور دعا فرمائی اے اللہ تو اس کے گناہ کو معاف فرمادے، دل کو پاک کر دے، شرم گاہ کو محفوظ رکھ، راوی کا بیان ہے کہ وہ نوجوان اس کے بعد کسی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا(۱۵)۔

غور فرمایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان کے دل سے زنا کی علت کو کس حکمت عملی سے جڑ سے اکھاڑ دیا، اور یہ سب کرشمہ تھا نفسیاتی طور پر اس کے دل میں مثالوں کے ذریعہ زنا کی برائی کو بٹھانے کے لیے، اس موقع پر آپؐ نے زنا کی قباحت و برائی اور زانی اور زانیہ کی وعید میں جو آیات نازل ہوئی ہیں ان کا ذکر نہیں فرمایا اس خیال سے کہ اس وقت اس نوجوان کے ذہن کو اس طرح جھٹکا دے کر اور اس کے فہم وادراک کو بیدار کر کے نصیحت کا یہ انداز و طریقہ زنا کی برائی کو اس کے دل سے زیادہ نکالنے والا ہے۔

اس پورے واقعہ میں اساتذہ اور داعیوں کے لیے کتنی بڑی رہنمائی ہے کہ حاضرین کے ماحول میں ان کی ذہنی سطح کا خیال رکھتے ہوئے ان کی سطح کے اسلوب و انداز میں بات سمجھائی جائے، جیسے اس نوجوان کے سمجھانے کی مثال اوپر گزری کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلم و تدبر سے کام لیتے ہوئے کس خوبی سے اس کے دل میں زنا کی شناعت بٹھادی اور اس کو اس گناہ عظیم سے بچالیا۔

کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھتے تھے حالانکہ آپ اس بات کو جانتے تھے۔ ان سے سوالات کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ ان کی ذہانت اور قوت فکر کو بیدار کریں ، دماغ کو حرکت دیں اور گفتگو کے انداز میں ان کو جام پیلائیں تاکہ یہ اندازہ لگا سکیں کہ ان کی قبولِ علم کی صلاحیت کتنی ہے"۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کھجور کا مغز لایا گیا، آپ نے کھجور کھاتے ہوئے فرمایا، درختوں میں ایک ایسا ہرا بھرا درخت ہے اس کی خیر و برکت اور نفع مسلمان کی خیر و برکت اور نفع کی طرح ہے۔ اس کا پتہ نہ گرتا ہے نہ ہی

ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے۔ وہ مسلمان کی مثل ہے تم بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ لوگوں کے ذہن صحرا کے درختوں کی سوچ میں پڑ گئے کہ ایسا کون سا درخت ہو سکتا ہے۔ کسی نے کسی درخت کا نام لیا کسی نے کسی درخت کا، میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہو سکتا ہے میرے دل میں آیا کہ کہوں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ مجلس میں معمر لوگ موجود ہیں۔ لہٰذا کہنے میں لحاظ معلوم ہوا۔۔۔۔۔ حاضرین نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ہی بتائیں کہ وہ کون سا درخت ہے تو آپؐ نے فرمایا یہ کھجور کا درخت ہے(١٦)۔

اس حدیث مبارکہ سے مندرجہ ذیل باتیں مستفاد ہیں:۔

داعی اور معلم کو چاہیے کہ عام حاضرین سے سوال کر کے ان کی سمجھ اور فہم کا اندازہ اور سوچنے اور توجہ کرنے کا شوق دلائے اور پھر جو بات وہ نہ سمجھ سکیں ان کی وضاحت کرے اور ان کو سمجھائے۔ ٢دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ علم کو سمجھنے پر آمادہ کیا جائے۔ مثالیں اور تشبیہات بیان کر کے ان کی سمجھ کو بڑھایا جائے معانی کا نقشہ سامنے کر دیا جائے تاکہ وہ ذہن میں بیٹھ جائے اور کسی ایک ہی واقعہ پر قوت فکر کو مذکور کر دیا جائے۔

حواشی وحوالہ جات

۱- أخرجه أحمد:۵ /۴۲۷، ابن هشام في السيرة: ۱/ ۴۲۷، ۴۲۸، وقال الهيثمي في المجمع: ۶/ ۳۶ رواه أحمد والطبراني ورجاله ثقات وسنده حسن، انظر الفتح الرباني: ۲ /۲۶۶، والبيهقي في الدلائل: ۲/۴۲۰ـ۴۲۱، والطبري في التاريخ: ۲ /۳۵۲ـ۳۵۳، جميعًا من طريق ابن إسحاق وقد صرح بالتحديث، وقال ابن حجر في الإصابة:۱۰۲/۱ رواه جماعة عن ابن إسحاق هكذا وهو صحيح من حدثه.

۲ـ هو أبو الوليد عتبة بن ربيعة بن عبدشمس. كبير قريش، وأحد ساداتها في الجاهليّة. كان خطيباً موصوفاً بالرأي والحلم والفضل، وتوسط للصلح يوم حرب الفجّار بين هوازن وكنانة. أدرك الإسلام فعاداه، وقُتل يوم بدر، سنة ثنتين من الهجرة. انظر: الأعلام، الزركلي۲۰۰/۴.

۳ـ سيرة ابن هشام [۲۹۲/۱]۳- السيرة لابن كثير، ۵۵۰/۱، السيرة لابن هشام، ۲۹۳/۱، ذكر في الخازن ۱۲۳/۴، والطبري ۱۹۳/۱۴، وتفسير المراغي، ۶۱/۱۴وابن كثير ۵۹۰/۲، الألوسي، ۲۵۴/۱۴

۴ـوعمرو بن عبسة أبو نجيح هو ابن عامر بن خالد بن غاضرة، أسلم قديماً، وكانيقال: هو ربع الإسلام، قدم المدينة بعد مضي بدر وأحد والخندق، ونزل بالشام.وانظر مستدرك الحاكم ۳ /۶۵ – ۶۶، ۲۸۵، و"أسد الغابة" ۴ /۲۵۱ – ۲۵۲.

۵ـ معمر بن أبي عمرو راشد الأزدي (المتوفى: ۱۵۳ھ)الجامع ،المحقق: حبيب الرحمن الأعظمي ،المجلس العلمي بباكستان، ۱۴۰۳ ھ (الأجزاء ۱۰، ۱۱ ـومسند ابن أبي شيبةـعدد الأجزاء: ۲ـ

۶ـ مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۱۷۰۲۷

۷ـ حديث صحيح رجاله ثقات رجال الشيخين غير صحابيه فمن رجال مسلم إلا أن أبا قلاَبة– وهو عبد الله بن زيد الجَرْمي– لم يدرك عمرو بن عبسة. عبد الرزاق: "مصنف" عبد الرزاق برقم (۲۰۱۰۷) ، ومن طريقه أخرجه عبد بن حميد في "المنتخب" (۳۰۱) وأورده الهيثمي في "المجمع" ۱ /۵۹ و۳ /۲۰۷، رواه أحمد والطبراني فى "الكبير" بنحوه، ورجاله ثقات۔

۸- ابن هشام، السيرة النبوية، ۴۲۸/۱

۹- ابن ماجه أبو عبد الله، محمد بن يزيد القزويني، (المتوفى: ۲۷۳ھ) سنن ابن ماجه.كِتَابُ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ، وَالسُّنَّةُ فِيهَا. بَابُ مَا جَاءَ فِي فَرْضِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْمُحَافَظَةِ عَلَيْهَا

۱۰- أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: ۲۴۱ھ) ۴/

۱۰ـ ***حدیث کے الفاظ:*** حَتَّى إِذَا فَرَغَ قَالَ: فَإِنِّي أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَسَأُؤَدِّي هَذِهِ الْفَرَائِضَ، وَأَجْتَنِبُ مَا نَهَيْتَنِي عَنْهُ، ثُمَّ لَا أَزِيدُ وَلا أَنْقُصُ، قَالَ: ثُمَّ انْصَرَفَ رَاجِعًا إِلَى بَعِيرِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَلَّى: " إِنْ يَصْدُقْ ذُو الْعَقِيصَتَيْنِ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ"

۱۱- البخاري،محمد بن إسماعيل،الجامعالصحيحكِتَابَبَدْءِ الْوَحِيباب مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللهِ.

١٢- أبو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري(المتوفى:٢٦١ هـ)المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم،كِتَابُ الإِيمَانِ باب بيان الإيمان والإسلام والإحسانوأشراط الساعة

١٣- *ايضاً-*

١٤- *ايضاً-*

١٥- مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحد يث: ٢١٦٢٨

١٦- البخاري، محمد بن إسماعيل، الجامع الصحيح كِتَابُ العِلْمِ بَابُ الحَيَاءِ فِي العِلْمِ

الموارد الاقتصادية فى القرآن الكريم

Economic Resources in the Holy Qura'n

الدكتور ضياء الله الأزهرى*

الدكتور جانس خان منصور**

Abstract

It has been revealed that human being is distinguish among the all other creature as Allah made all that in the heavens and on the earth subservient to him. Since he is created, he is in search of means and resource to find out his livelihood.

It is proved that in the Holy Qura'n not only economic resources are mentioned but also are explained in various aspects. Islam as a code of life presents permanent Islamic principles for economy, economic sources and their usage. The study comprises not all economic resources mentioned in the Holy Qura'n but some of them like agriculture and land in sharia'h perspective with the opinions of all Fiqhi school of thought .

إن الله تعالىٰ خلق الانسان وجعل الأرض مستقرا له كما قال الله تعالىٰ:﴿وَلَكُمْ فِي الأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ﴾[١]

وأودع فى الارض من الخيرات والكنوز ماهو ضرورى لحياة الانسان والحيوان وأمر الانسان بعمارة الارض:﴿هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا﴾ [٢] والاستعمار هو طلب العمارة والطلب المطلق من الله تعالىٰ يدل على الوجوب[٣] وقال الجصاص وفيه الدلالة على وجوب عمارة الارض للزراعة والغراسة والابنية[٤] فتعمير الارض وزراعتها واجب إنسانى تتوقف عليه الحياة.

الزراعة فى القرآن الكريم

لقد أباح الإسلام تمليك الأرض لكل إنسان بشرط أن يكون التمليك بطريق مشروع وأن لايضر غيره سواء أكان هذا الغير فردا أو جماعة يقول الله تعالىٰ: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الأَرْضِ

---

* الأستاذ بقسم الدراسات الإسلامية،جامعة بشاور، باكستان.

** الأستاذ المساعد بقسم الدراسات الإسلامية،جامعة ملاكند، باكستان.